اداریہ

آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس [جالندھر: ۱۹۴۳ء] سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا کہ

"مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرزِ حکومت کیا ہوگا؟ پاکستان کے طرزِ حکومت کا تعیّن کرنے والا میں کون؟ یہ کام پاکستان کے رہنے والوں کا ہے۔ اور میرے خیال میں مسلمانوں کا طرزِ حکومت آج سے تیرہ سو سال قبل قرآن حکیم نے فیصل کر دیا تھا۔"

اور جب پاکستان نے تخیّل سے حقیقت کا روپ اختیار کر لیا تو قائد نے اسلامیہ کالج پشاور میں خطاب [۱۳ جنوری ۱۹۴۸ء] کرتے ہوئے واضح کیا کہ

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا، بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔"

اور جب کچھ لوگوں نے پاکستان کی حقیقی اساس اور مقصدِ وجود کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی تو قائد نے اسے اپنا فرضِ منصبی خیال کیا کہ ایک بار پھر منزل کی نشاندہی کر دی جائے۔ انہوں نے کراچی بار ایسوسی ایشن سے اپنے خطاب [۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء] میں کہا۔

"میں ان لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا جو دیدہ دانستہ اور شرارت سے پراپیگنڈا کرتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابلِ اطلاق ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ میں ایسے لوگوں کو جو بدقسمتی سے گمراہ ہو چکے ہیں، یہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں، نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ یہاں غیر مسلموں کو بھی کوئی خوف اور ڈر نہیں ہونا چاہیے۔"

بانیٔ پاکستان اور ان کے رفقاء کے افکار کی روشنی میں، جنہیں عوام کی بھرپور تائید حاصل تھی، دستور ساز اسمبلی نے اتفاقِ رائے سے "قرار دادِ مقاصد" منظور کی اور ایک ایسا دستور مرتّب کرنے کا عہدہ کیا "جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق، جو قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔" قرار دادِ مقاصد میں یہ بھی واضح کیا گیا کہ اقلیتوں اور دوسرے پسماندہ طبقوں کے جائز حقوق پورے طور پر محفوظ ہوں گے۔ درحقیقت قرآن و سنت پر مبنی نظامِ زندگی اور اقلیتوں کے حقوق کے

درمیان کوئی مغائرت نہیں پائی جاتی بلکہ اسلامی معاشرے میں اقلیتوں کو حاصل حقوق کا تحفّظ اقلیتوں سے زیادہ اکثریتی مسلمان آبادی کا فرض بن جاتا ہے۔

یہ حقیقت چنداں خوشگوار نہیں کہ پاکستان کے ہر دستور میں "قرارداد مقاصد" کو معمولی ترمیم و اضافہ کے ساتھ بطور دیباچہ شامل تو کیا جاتا رہا مگر اس کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے کوئی اہم اقدام نہ کیا جا سکا۔ حتیٰ کہ ۱۹۷۳ء کے دستور میں ایک ترمیم کے ذریعے قرار داد مقاصد کو دستور کا حقیقی جزو بنا دیا گیا اور حکومت پاکستان نے قرآن و سنت یعنی شریعت کے نفاذ کے لیے کچھ اقدامات کیے۔ نفاذ شریعت کے لیے اقدامات ۱۹۷۳ء کے دستور کے عین مطابق تھے جس میں اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے اور یہ دستور پورے اتفاقِ رائے سے عوام کے منتخب نمائندوں نے منظور کیا تھا۔

اسلام کے حوالے سے جو قانون سازی ہوئی، اس کی رفتار سست سہی مگر اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ منجملہ دوسرے قوانین کے ایک قانون یہ بھی منظور کیا گیا کہ توہین رسالت ﷺ کے مرتکب کے لیے سزائے موت ہوگی۔ قانون میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تمیز نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے والا یا مسلمانوں جیسا نام رکھنے والا کوئی بدبخت اس جرم کا ارتکاب کر بیٹھے، کروڑوں افراد کے جذبات سے کھیلنے لگے اور وہ سزا کا مستوجب قرار پائے تاہم قانون کے نفاذ کی ذمہ دار حکومت ہے۔ کوئی شخص اپنے طور پر کسی کو توہین رسالت ﷺ کا مرتکب قرار دے کر سزا نافذ کرنے کا مجاز نہیں۔ اس بدیہی حقیقت کے باوجود بعض مسیحی رہنماؤں نے اس قانون کی مخالفت میں آواز بلند کی اور انہیں اُس طبقے کی حمایت حاصل رہی جو پاکستان میں قرآن و سنت یعنی شریعت کی بالادستی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

چند ماہ پہلے (جنوری ۱۹۹۲ء) فیصل آباد میں ایک مسلمان طالب علم نے ایک مسیحی استاد نعمت احمر کو قتل کر دیا تو نفاذ شریعت کے مخالف طبقے کو اقلیتوں کے نام پر اپنے جذبات کے اظہار کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اخبارات میں جو اطلاعات سامنے آئی ہیں، اُن میں سے ایک اطلاع یہ ہے کہ قاتل نے مقتول کو اس لیے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا کہ مقتول شاتم رسول تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ اطلاع بھی چھپی ہے کہ اس سانحہ قتل میں ذاتی اور شخصی محرک شامل تھا۔ اس صورت حال میں کہ جب قتل کے محرکات کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ سامنے نہیں آیا اور مقدمہ تاحال زیر سماعت ہے، نعمت احمر کے قتل کو مذہبی رنگ دینا اور اس حوالے سے احتجاجی بیانات، جلسوں اور پریس کانفرنسوں کو نرم سے نرم لفظوں میں خلافِ عقل قرار دیا جا سکتا ہے۔

خوش آئند امر یہ ہے کہ وفاقی وزیر مملکت برائے اقلیتی امور جناب پیٹر جان سہوترا، سابق رکن قومی اسمبلی جناب جارج کلیمنٹ اور بشپ آف فیصل آباد ڈاکٹر جوزف نے مشترکہ پریس کانفرنس میں قتل کے حقیقی محرکات کو سامنے لانے پر زور دیا اور حکومت کو مشورہ دیا کہ "کسی کو اس قتل سے مذہبی یا جذباتی فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دیا جائے۔" ان کے نقطۂ نظر کے مطابق نعمت احمر کے قتل کو "کشمیر میں جاری تحریک حریت اور وہاں پر ہونے والے مظالم سے توجہ ہٹانے" کے لیے استعمال کیا جارہا ہے تاکہ "مسیحی دُنیا میں یہ تاثر دیا جائے کہ ہندوستان ہی میں نہیں پاکستان میں بھی اقلیتیں غیر محفوظ ہیں۔" انھوں نے "مسلمانوں اور مسیحی بھائیوں سے اپیل کی کہ وہ قتل کے اصل حقائق سامنے آنے پر راضی ہوں۔"

اسی طرح جب جذباتی طور پر یہ کہا گیا کہ "بہت سے مسیحی ملک چھوڑ کر جا چکے ہیں کیونکہ وہ عدم تحفظ کا شکار ہیں۔" تو نیشنل کرسچن لیگ کے رہنماؤں نے اس کا بروقت نوٹس لیا اور حقیقت حال واضح کی کہ یہ گمراہ کن پراپیگنڈا ہے۔ کسی ایسے مسیحی کا نام اور پتہ نہیں بتایا جاسکتا جس نے عدمِ تحفظ کے تحت ترکِ وطن کیا ہو۔

شریعت کے مطابق جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا جتنا حق اسلامی معاشرے اور ریاست میں ایک مسلمان کو حاصل ہے، اتنا ہی ایک غیر مسلم کو حاصل ہے۔ شریعت نے انسانی جان کو جو اہمیت دی ہے، اس آیت سے واضح ہے۔

ترجمہ: "جس نے ایک فرد کو قتل کیا، اُس نے انسانیت کو تہ و بالا کردیا اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی، اُس نے انسانیت کو بچا لیا۔" (البقرہ)

اللہ تعالیٰ نے یہاں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی۔ غیر مسلم کے خون کی دیت، مسلمان کے خون کی دیت کے برابر ہے۔ جس طرح مسلمان مقتول کے قاتل سے قصاص لیا جانا ضروری ہے اسی طرح غیر مسلم کا قاتل بھی قتل کیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا تھا۔ جس کے بدلے میں قاتل سے قصاص لیا گیا۔

اسی طرح منقول ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک مسلمان لایا گیا جس نے ایک غیر مسلم کو جان سے مار دیا تھا۔ تحقیق سے اس پر الزام ثابت ہوگیا تو حضرت علیؓ نے اس کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔ بعد میں مقتول کے بھائی نے حضرت علیؓ سے آکر کہا کہ اُس نے قاتل کو معاف کر دیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "شاید قاتل کے وارثوں نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہے۔" اُس نے کہا "نہیں۔ اب مجھے میرا

بھائی ملنے سے رہا اور ان لوگوں کی پیشکش میں نے قبول کر لی ہے۔" حضرت علیؓ نے کہا کہ "اس کا یعنی فدیہ لینے کا تمہیں اختیار حاصل ہے ورنہ تمہارے خون ہمارے خون کے برابر ہیں اور تمہاری دیت ہماری دیت کے برابر ہے۔"

احادیث میں کسی غیر مسلم کو ناحق قتل کرنے کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی ذمّی (اسلامی ریاست کا غیر مسلم شہری) کو قتل کیا، وہ جنّت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔

خلافت راشدہ میں جب شریعت نافذ تھی اور غیر مسلم مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو زندگی بسر کر رہے تھے تو پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آر نلڈ کے الفاظ میں "عیسائیوں کا جان و مال محفوظ تھا اور انہیں مذہبی آزادی بھی حاصل تھی۔ اس لیے عیسائی قوم نے اور خصوصاً شہروں کے باشندوں نے اسلامی خلافت کے ابتدائی دور میں بڑی خوشحالی اور آسودگی کی زندگی بسر کی۔"

اور اگر آج شریعت نافذ ہوتی ہے تو توقع رکھنی چاہیے کہ تاریخ ایک بار پھر وہی منظر دیکھے گی جس کا نقشہ پروفیسر آر نلڈ جیسے اہل قلم نے کھینچا ہے۔ (مدیر)